79

عبودیت ہی حقیقی حریت ہے

(فرمودہ ۱۷ اکتوبر ۱۹۲۴ء بمقام لنڈن)

تشہد و تعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا

انسانی اعمال اور انسانی حالتوں کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ انسان ایسے حالات میں گھرا ہوا ہے۔ جن کی موجودگی میں صحیح اور حقیقی طور پر اس کی رائے آزاد رائے نہیں کہلا سکتی۔ بلکہ حقیقی آزاد رائے حاصل کرنے کے لئے حقیقی جدوجہد کی ضرورت ہے۔

صوفیا کہتے ہیں کہ ہر ایک چیز میں ایک دور پایا جاتا ہے جس سے ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ راستہ بدل کر چکر کھا کر پھر اس جگہ پر آجاتا ہے۔ جہاں تک غور کیا جاتا ہے۔ انسانی ترقی کا بھی یہی معیار ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے **یولد علی فطرة** [1] کہہ کر یہی بتایا ہے۔ کہ انسان آزاد پیدا ہوا ہے۔ فطرۃ اور اسلام کے یہی معنے ہیں کہ وہ خدا کی کامل فرمانبرداری اور سچی خواہشوں کو لے کر پیدا ہوتا ہے۔ پھر فرمایا کہ اس کے ماں باپ اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ اس سے یہ مطلب ہے کہ گردوپیش کے حالات اس پر اثر ڈالتے ہیں۔ پیدائش کے وقت وہ آزاد فطرت لے کر آتا ہے۔ پھر ارد گرد کے انسانوں کے خیالات اعمال اور طرح طرح کے حالات رنگ بدل بدل کر اور اس پر اثر ڈال کر اپنے رنگ میں رنگین کر لیتے ہیں۔ یہاں تک کہ بلوغت کے زمانہ تک جب اس میں شعور اور رائے پیدا ہوتی ہے۔ وہ ہزاروں کڑیوں میں مبتلا اور اسیر ہو جاتا ہے۔

چھ مہینے چار سال دس سال تک وہ آزاد نہیں ہوتا بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ کوئی رائے ہی نہیں رکھتا بلکہ رائے کا وقت بلوغت کے ساتھ شروع ہوتا ہے۔ اور جب یہ وقت آتا ہے۔ اور اس عمر تک پہنچتا ہے۔ تو وہ غلام ہو چکا ہوتا ہے۔ وہ کہنے کو تو کہہ دیتا ہے کہ میں آزاد رائے رکھتا ہوں۔ لیکن اس نظارہ کو دیکھ کر کہنا پڑتا ہے کہ اس کی کوئی آزاد رائے نہیں ہوتی۔ ۹۹ فی صدی ایسے لوگ

ہوتے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہماری رائے آزاد ہے۔ ہم میں حریت ہے مگر سچ یہ ہے کہ یہ آزادی رائے یہ حریت لفظوں سے آگے نہیں ہوتی۔ اس کی ایسی ہی مثال ہے کہ ایک شخص جیل میں ہو۔ اور جب اس کو کہا جاوے کہ تو جیل سے باہر نکل آ اور وہ یہ کہے کہ میں جیل سے باہر نہیں آتا اس لئے کہ میری رائے آزاد ہے۔ اور اس آزادی رائے کا یہ فیصلہ ہے کہ جیل سے نہ نکلوں۔ تو کون عقلمند اس کو آزادی رائے کہے گا یہ غلامی ہے۔ یہ اسیری ہے۔ اسی طرح ایک انسان جو حقیقت سے دور ہے۔ وہ آزادی رائے کہہ کر حقیقت سے دور ہو جاتا ہے۔ آزادی رائے تب ہو گی کہ وہ غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا نہ ہوتا۔ وہ زنجیریں جو بچپن سے دوسروں کی رائیں سننے سے اور ان کے اثر سے پیدا ہوئی ہیں۔ وہ زنجیریں جو مختلف نظاروں کے دیکھنے اور کانوں کے ذریعہ بہت سی باتیں سننے کا ایک اثر اس کی فہم و فراست پر چھوڑ گئی ہیں۔ اور اس وقت سے یہ اثر پیدا ہو رہا ہے۔ جب اس نے فہم و ذکا سے حصہ نہ لیا تھا۔ لیکن جب اس کو کہا جاتا ہے کہ اس معاملہ میں غور کرو اور سوچو تو کہہ دیتا ہے کہ میں حریت رائے کا پابند ہوں۔ دوسروں کی رائے کا پابند نہیں۔ میں دماغی غلامی نہیں کرتا۔ حالانکہ وہ ہزارہا زنجیروں میں گرفتار اور پابند ہے۔ لیکن اگر وہ سوچنے لگتا ہے۔ اور فکر کرتا ہے کہ فی الحقیقت میری رائے ارد گرد کے حالات اور اثرات کا نتیجہ ہے۔ مجھ کو خود خالی الذہن ہو کر فکر کرنا چاہیئے۔ تو وہ ان غلامی کی زنجیروں کو توڑ کر آزادی کی طرف آتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے صرف ان خیالات یا اعتقادات کو محض اس لئے نہیں مان لینا چاہیئے کہ مجھے ورثہ میں ملے ہیں اور یا میرے ہم نشینوں کی صحبت کا اثر ہیں۔ تو وہ پھر فطرۃ اسلام پر لوٹتا ہے اور یہی وہ دور ہے۔ جس کی طرف صوفیا اشارہ کرتے ہیں۔ اور یہ دور روحانی ترقیات میں بھی آتا ہے۔ اور اسی دورہ کے بعد انسان ترقی کے مدارج شروع کرتا ہے۔ پس اہم سوال یہ ہے کہ ہم یہ سوچیں۔ اور فکر کریں کہ کیا ہم غلامی کی قید اور زنجیروں میں تو مبتلا نہیں۔ جو محض انسان کے ان خیالات کا نتیجہ ہیں۔ جو ارد گرد کے حالات اور اثر نے پیدا کئے ہیں۔ اور اگر ایسا ہے۔ تو کیا طریق ہے کہ ہم اس قید سے آزاد ہوں۔

بظاہر یہ ایک مشکل سوال ہے۔ اور ایسا سوال ہے کہ اس کا حل نظر نہیں آتا۔ اور جب تک حل پیدا نہ ہو۔ دنیا کی نجات کا حل بھی نہیں ہو سکتا۔ میں سچ کہتا ہوں۔ لوگ کبھی کسی صحیح عقیدہ پر جمع نہ ہوں گے۔ جب تک کہ یہ کڑیاں دور نہ ہوں جب تک اس طوق و سلاسل میں انسان گرفتار ہے۔ وہ حقیقی طور پر حریت حاصل نہیں کر سکتا۔

کوئی ایسی پیدائش تو نظر نہیں آتی کہ انسان ۱۸ یا ۲۰ سال کی عمر میں پیدا ہو۔ جب کہ عقل اور شعور کی قوتیں نشوونما پا رہی ہوں اور اس میں فکر و عقل پیدا ہو چکی ہو۔ مگر وہ ان قیود سے آزاد ہو۔ جو ارد گرد کے حالات کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ کیونکہ انسان پیدا تو آزاد ہوتا ہے۔ اور جب رائے کا وقت آتا ہے۔ اس وقت تک غلام ہو چکا ہوتا ہے۔

بظاہر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ ایسے گھر میں ہو، جہاں نیک اور متقی لوگ ہوں اور ان کے خیالات کا اثر اور ان کے اعمال و افعال کی تحریکیں اس پر ہوتی رہی ہوں اور وہ ان اثرات کے ماتحت نیک بھی ہو۔ لیکن میں پھر بھی اس کو آزاد نہیں کہتا۔ کیونکہ وہ نتیجہ انہیں گردوپیش کے حالات کا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص غلام ہو کر بھی اعلیٰ رائے رکھتا ہو۔ اور یہ اسی حد تک ہو گا۔ مگر غلامی کی قید سے آزاد نہیں۔ اور اس کو حریت نصیب نہیں آزاد رائے تب ہی ہو گی۔ جب خود تحقیق کر کے صحیح نتیجہ پر پہنچا ہو اس کے لئے ہم دیکھتے ہیں کہ شریعت اسلامی نے ایک نکتہ بتایا ہے کہ آزادی رائے کس طرح پیدا ہوتی ہے اور یہ راز سورۂ فاتحہ میں بیان کیا گیا ہے۔

اگر غور کیا جاوے کہ دنیا کی ساری غلامیاں کس طرح پیدا ہوئی ہیں تو اس کی ایک ہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ انسان کے ذاتی فوائد اور خود غرضی کا نتیجہ غلامی ہوتا ہے۔ وہ اپنے مطلب کے مطابق دوسرے لوگوں کو ڈھالتا ہے۔ اور ہر ایک یہی کوشش کرتا ہے۔ اس لئے ایسے لوگوں کا اتباع یا ایسے لوگوں کا اثر غلامی کی تعریف پیدا کرتا ہے۔

پس آزادی اور حریت کا کوئی ذریعہ ہے تو ایک ہی ہے کہ دنیا یا کم از کم خدا پرست لوگوں کے دلوں میں یہ بات پیدا کی جائے کہ جب تک تحقیق کا موقعہ نہ ملا ہو۔ اپنے خیالات کو اپنے خیالات نہ سمجھے اور اپنے معاملات کو خدا تعالیٰ کے سپرد کرے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ ہم سے کوئی فائدہ اٹھانا نہیں چاہتا۔ سب چیزیں اسی کی محتاج ہیں۔ اور اس کو کسی کی غلامی کی ضرورت نہیں۔ اس لئے سورۂ فاتحہ میں فرمایا۔ **الحمدللہ رب العالمین الرحمن الرحیم مالک یوم الدین**

پس جب انسان اپنے خیالات کو خدا کے سپرد کر کے تحقیق کا ایک دروازہ کھولتا ہے۔ تو اس کی غلامی کی زنجیریں ٹوٹنی شروع ہو جاتی ہیں۔ اور اس میں حقیقی عبودیت کا مفہوم پیدا ہونے لگتا ہے۔ اور وہ سچے معنوں میں عبداللہ کہلاتا ہے۔ اگرچہ عبداللہ کے معنے ہیں اللہ کا غلام۔ مگر اس غلامی کی وہ حقیقت نہیں۔ جو انسانی غلامی کی ہے۔ اس لئے کہ انسان دوسرے کو غلام بناتا ہے۔ اپنے فوائد اور اغراض کے لئے۔ اور اللہ تعالیٰ کی غلامی اس کو ہر قسم کی غلامی سے آزاد کر کے صحیح معنوں میں حریت

عطا کرتی ہے۔ اور اس کو عبودیت کہتے ہیں

بلکہ اگر زیادہ غور کیا جاوے تو ہم دیکھتے ہیں کہ دراصل (گو ادب ایسا) کہنے کی اجازت نہیں دیتا۔ مگر مفہوم کو واضح کرنے کے لئے کہتے ہیں') خدمت تو خدا کرتا ہے اور وہ خدمت مجبوری کی نہیں۔ بلکہ محبت اور فضل کی ہے۔ جیسے ماں کرتی ہے۔ وہ سب بچہ کی محبت کا نتیجہ ہے۔

اسی طرح خدا (جس نے ماں کو بھی اس لئے پیدا کیا کہ وہ بچہ کی محبت سے خدمت کرے) کی خدمت جس کا نام ربوبیت ہے۔ محبت اور رحم کا نتیجہ ہے۔ ورنہ حقیقتاً ہمارے تمام فوائد اس نے خود اپنے ذمہ لئے ہوئے ہیں۔ اور اس کے رحم اور فضل کے بغیر ہم زندہ ہی نہیں رہ سکتے۔ پس عبداللہ کا لفظ کامل حریت اور آزادی کو ظاہر کرتا ہے۔ اور **الحمد للہ رب العالمین الرحمن الرحیم مالک یوم الدین** میں اس کی طرف اشارہ ہے۔

اب یہ بات صاف ہو گئی کہ کامل حریت عبودیت الٰہی میں ہے پس اگر یہ مسئلہ تمام دنیا کو سکھا دیا جاوے اور میں سمجھتا ہوں کہ تمام مذاہب میں جو خدا کا اقرار کرتے ہیں۔ یہ مسئلہ یکساں ہے کہ

تمام انسانوں کو ہر امر کا فیصلہ خدا سے جاننا چاہیئے تو دنیا میں حقیقی حریت پیدا ہو سکتی ہے۔ تم خود عبداللہ بنو اور پھر اسی مقام عبودیت کی طرف دنیا کو لاؤ۔ تب نہ صرف تم آزاد ہو گے بلکہ دنیا کو آزادی کی طرف لانے والے بھی ہو جاؤ گے۔

عالم سے عالم اور فلاسفر سے فلاسفر بھی یہ بات نہیں کہہ سکتا کہ فلاں خیال میں نے خود پیدا کیا ہے۔ جب اس کی تحقیقات کی جاوے گی۔ تو وہ اردگرد کے حالات اور اثرات کا نتیجہ ہو گا بہت ہی کم ایسے خیال یا انسان ثابت ہوں گے۔ جنہوں نے خدا سے سیکھا ہے۔ اور خدا تعالیٰ سے ہدایت پانے کے لئے اور صحیح علم حاصل کرنے کے لئے سورہ فاتحہ میں بتایا ہے **اھدنا الصراط المستقیم** اور خدا تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو سچی آزادی کا عطیہ دینے کے لئے قرآن مجید میں یہ وعدہ کیا ہے۔

والذین جاھدو افینا لنھدینھم سبلنا (العنکبوت ۷)

پس یاد رکھو کہ کامل آزادی اس سے پیدا ہوتی ہے کہ انسان کامل طور پر اپنے آپ کو خدا کے سپرد کر دے کہ یا اللہ مجھے غم نہیں کہ کون سے خیالات کس نے ڈالے مدرسہ والوں نے یا محلّہ والوں نے یا کسی اور نے۔ اس لئے **اھدنا الصراط المستقیم** تو آپ ہی آزادی کا راستہ دکھا۔ ایسا راستہ جو تحقیق کے بعد قائم ہوا ہو۔ کیونکہ تو ہی جانتا ہے کہ جو خیالات پیدائش سے لوگوں نے اب

تک ڈالے ہیں۔ یا ملک کی پیداوار ' آب و ہوا ماں باپ احباب یا دوسرے حالات کا نتیجہ ہیں۔ ان میں کوئی امتیاز اور فرق نہیں کر سکتا۔ اس لئے تو آپ مجھے سچائی اور حقیقت کی راہ دکھا۔

پس حقیقی آزادی کا ایک ہی علاج ہے کہ خدا کی طرف جھک جاؤ۔ یہی قرآن سکھاتا ہے۔ اور عقل سلیم یہی تعلیم دیتی ہے کہ اگر خدا ہے۔ اور ضرور ہے تو اسی راہ سے آزادی نصیب ہو سکتی ہے۔ ورنہ حریت اور آزادی رائے کا دعویٰ اس قیدی سے بڑھ کر نہیں جو جیل سے نہ نکلنے کا نام آزادی رائے رکھتا ہے۔ اور یہ طریق ایسا طریق ہے کہ جس کی کامیابی یقینی ہے۔ جیسا کہ **والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا** میں وارد ہے۔ حقیقی آزادی کی یہی ایک راہ ہے کہ خدا سے دعا مانگے۔ اسی پر گھمنڈ کر کے نہ بیٹھ جاوے۔ کہ میری رائے آزاد ہے۔ میں نے کھول کر بتا دیا ہے کہ آزادی رائے کا دعویٰ ایک خیالی دعویٰ ہے۔ ایسی رائے غلامی کی رائے ہے۔ بلکہ میں کہوں گا کہ غلامی سے بھی بدتر اس لئے کہ غلامی جانتا ہے کہ میں غلام ہوں مگر یہ نہیں جانتا کہ میں غلام ہوں۔ اور غلام ہو کر اپنے آپ کو آزاد سمجھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ توفیق دے کہ ہم سب اس حقیقت کو سمجھیں۔ اور وہ ہم کو سچی آزادی عطا فرماوے۔ جس کو میں عبداللہ کے لفظ سے تعبیر کرتا ہوں۔ اور اس طرح پر ہم کو وہ مقام عطا کرے جو عبودیت کا مقام ہے۔ جہاں تمام برکات اور فضل نازل ہوتے ہیں اور آزادی اور نجات ملتی ہے۔ آمین

(الفضل ۴ دسمبر ۱۹۲۴ء)

۱۰: مسلم کتاب القدر باب کل مولود یولد علی الفطرۃ